تحقیق و تنقید

زاد المتقین و سلوک طریق الیقین

سولہویں صدی عیسوی کے ہندوستانی علما، اور صالحین کا تذکرہ

پروفیسر اقتدار حسین صدیقی

"زاد المتقین و سلوک طریق الیقین" شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (متوفی ۱۹ جون ۱۶۴۲ء) کی تالیف ہے۔ اس میں شیخ علی متقیؒ اور اُن کے مرید، شاگرد اور روحانی خلیفہ شیخ عبدالوہاب متقی کے حالات زندگی اور علمی و روحانی کارناموں کی تفصیل کے ساتھ بعض دوسرے علمار کرام اور ہندوستانی مسلمانوں کے سماجی حالات پر بھی دلچسپ مواد ملتا ہے۔ علاوہ ازیں عہد وسطیٰ میں ہند و عرب کے درمیان جو قریبی تعلقات تھے ان کے متعلق بھی ہمارے علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ جو مسلمان حج کے لیے حجاز جاتے تھے اُن میں سے بہت سے دینی جذبہ کے تحت وہیں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو جاتے تھے۔ یہ مسلمان امیر اور غریب دونوں ہی طبقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے مستقل طور پر مکہ اور مدینہ میں بس جانے کی وجہ سے ہندوستانی زائرین کو اجنبیت محسوس نہیں ہوتی تھی۔

زیر مطالعہ کتاب کا بہت اہم حصہ شیخ علی متقی اور شیخ عبدالوہاب متقی کی تبلیغی اور تنظیمی سرگرمیوں سے متعلق ہے۔ ان دونوں حضرات کا ان بزرگوں میں شمار ہوتا ہے جنھوں نے ہندوستان کے علاوہ قدیم اسلامی ممالک میں اسلام کی روحانی اقدار اور علوم دینی کے فروغ کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ حجاز، یمن، شام اور مصر میں علوم حدیث، تفسیر، فقہ اور تصوف کے فروغ میں اُن کی سعی جمیلہ کا بھی حصہ تھا۔ اس کتاب کے صرف دو مخطوطات کا اب تک علم حاصل ہو سکا ہے۔ ایک رضا لائبریری رامپور میں موجود ہے اور دوسرا راقم کی ملکیت میں تھا جس کو چند ماہ قبل شعبۂ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی لائبریری کو عطیہ کے طور پر پیش کر دیا گیا ہے۔

زاد المتقین میں ایک تفصیلی دیباچہ کے علاوہ تین حصے ہیں۔ پہلے اور دوسرے حصہ

کو مولف نے پانچ پانچ ابواب میں تقسیم کیا ہے اور یہ ابواب شیخ علی متقیؒ اور شیخ عبدالوہاب متقیؒ کے حالات زندگی سے متعلق ہیں۔ ہندوستان اور حجاز میں اُن کے مختلف کارناموں کو علٰحدہ علٰحدہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ تیسرے اور آخری حصہ میں اُن مشائخ، درویشوں اور علماء کا تذکرہ ہے جو ہندوستان یا دوسرے ممالک سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں بس گئے تھے اور جن سے اپنے دو سالہ قیام کے زمانہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ملاقات کی تھی۔ دیباچہ بھی تالیف کا اہم حصہ ہے۔ اس میں مولف نے اپنے ذاتی حالات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب اُن کا علم حدیث کا مزید مطالعہ کرنے اور حجاز کے علماء اور صالحین سے فیضیاب ہونے کا ذوق بے حد بڑھا تو وہ ۱۵۸۸ء میں حج بیت اللہ کے لیے دہلی سے روانہ ہو گئے اور مکہ مکرمہ میں پہنچنے پر شیخ عبدالوہاب متقیؒ کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے۔ آخر الذکر شیخ علی متقیؒ کے خلیفہ تھے اور اپنے پیر و مرشد کی پیروی میں قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ صوفی سلسلوں میں بیک وقت مرید بناتے تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مرید بننے کے بعد علم حدیث کا مطالعہ اپنے پیر کی سرپرستی میں پورا کیا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے مطالعہ کی طرف خصوصی توجہ کی۔ علاوہ بریں تصوف کی تعلیم و تربیت بھی حاصل کی۔ دو سال کے قیام کے بعد شیخ عبدالوہاب متقی نے مرید کو ہندوستان واپس بھیج دیا تاکہ دہلی اور ہندوستان کے دوسرے حصوں میں علم حدیث کو عام کر سکیں[1]۔

کتاب کے پہلے پانچ ابواب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے شیخ علی متقی کے بارے میں اپنے پیر و مرشد کے علاوہ بہت سے دوسرے علماء سے بھی معلومات حاصل کی تھیں۔ ان میں سے زیادہ تر شیخ علی

---

[1] مضمون میں جگہ جگہ تصوف، سلاسل تصوف اور اعمال واشغال تصوف کا ذکر آگیا ہے۔ اس سلسلہ میں اتنی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اصل معیار کتاب وسنت ہے ان میں سے جو چیز کتاب وسنت کے مطابق ہے وہ صحیح ہے اور جو اس سے ہم آہنگ نہیں ہے اسے کسی بھی شخصیت کے حوالہ سے صحیح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ (جلال الدین)

متقیؒ کے مرید یا عقیدت مند تھے۔ ہر ایک نے اپنے چشم دید یا صحیح واقعات بتائے، لہٰذا اُن کے متعلق اطلاعات مبالغہ آرائی سے پاک ہیں۔ ان پہلے پانچ ابواب میں ہندوستان کے دوسرے بزرگوں کے متعلق بھی بعض ایسی تفصیلات ملتی ہیں جن سے دوسرے ماخذ میں موجود اشارات کی تائید ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہاں معروف عالمِ دین شیخ حسام الدین متقیؒ کا ذکر کریں گے۔

شیخ حسام الدین متقی راسخ العقیدہ متشرع عالمِ دین تھے۔ وہ تلنبہ، جو کہ ولایت ملتان میں شامل تھا، کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے شہر ملتان میں مدرسہ قائم کیا تھا اور وہاں طلباء کو حدیث، فقہ اور تفسیر کا درس دیتے اور ان کی علمی اور روحانی تربیت کرتے تھے۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی اور دوسرے تذکرہ نویس اُن کے علمی تبحر، دینداری اور زہد و تقویٰ کے متعلق رطب اللسان ہیں۔ بدایونی نجات الرشید میں لکھتے ہیں کہ شیخ حسام الدین متقی کی پرہیزگاری اور شریعت کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی وہ شیخ بہاء الدین زکریا کی درگاہ کی طرف جاتے تو اس کے اندر داخل نہیں ہوتے اور باہر فاصلہ پر کھڑے ہو کر فاتحہ پڑھتے اور پھر وہیں سے واپس چلے جاتے تھے۔ درگاہ کے اندر نہ جانے کا سبب یہ تھا کہ اس کی تعمیر امراءِ سلطنت نے اُس روپیہ سے کرائی تھی جو کہ ان کے پاس غیر شرعی ٹیکسوں کی شکل میں آتا تھا۔ دوسرے وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس کی تعمیر میں جو مزدور لگائے گئے تھے اُن کی مزدوری یا اجرت شریعت کے قانون کے مطابق ادا نہیں ہوتی تھی۔ بدایونی یہ بھی لکھتے ہیں کہ شیخ کے پاس اُن کے قصبہ تلنبہ میں قابلِ کاشت زمین تھی اور اس زمین پر کاشت کے لیے وہ حکومت وقت کو عشر ادا کرتے تھے۔ صرف اسی کی آمدنی سے اپنی ضروریات پوری کرتے تھے۔ جب سلطان سکندر لودی کو اُن کے تبحر علمی اور پرہیزگاری کا علم ہوا تو اس نے اُن کو اپنے دربار سے منسلک ہونے کی دعوت دی اور ایک بڑی ملک جائداد بھی پیش کی۔ لیکن شیخ حسام الدین متقی نے سلطان کے دربار میں حاضری دی اور نہ ہی جائداد قبول کی۔ جب ملتان پر لنگا حکومت کا دور ختم ہوا اور وہاں بلوچی سرداروں کا تسلط ہو گیا تو انھوں نے شریعت کو بالائے طاق رکھ کر لوگوں کی لوٹ کھسوٹ شروع کر دی۔ شیخ سے عشر کے بجائے خراج طلب کیا۔ شیخ نے زمین کو چھوڑ دیا اور پھر فاقہ کی نوبت آگئی،

صرف دریا سے لائی ہوئی مچھلی کھاتے تھے اور وہ بھی اس وقت کہ اُن کو یقین ہو جاتا تھا کہ ماہی گیر کا جال اس کی حلال کمائی سے بنایا گیا تھا۔[1]

شیخ حسام الدین متقی کے متعلق زاد المتقین میں لکھا ہے کہ وہ باذوق طلباء کی اعانت اس طرح کرتے تھے جیسے کوئی خادم اپنے آقا کی خدمت کرتا ہو۔ وہ اکثر طالب علم کے پاس کتابیں اپنے سر پر رکھ کر لے جاتے تھے اس طرح اپنے ذاتی کردار سے اُن میں کسر نفسی اور انکسار کی خوبیاں پیدا کرتے تھے۔ اُن کے طرز زندگی سے طلباء بے حد متاثر ہوتے تھے اور ان میں روحانی بصیرت اور دینداری خود بخود پیدا ہو جاتی تھی۔ شیخ علی پر ان کے تقویٰ اور نیکی کا اس قدر اثر ہوا کہ انھوں نے ان کی یاد کو زندہ رکھنے کے لیے متقی اپنے نام کا حصہ بنا لیا اور اُن کی پیروی میں تمام زندگی فقر، تقویٰ اور درس و تدریس کے لیے وقف کر دی۔[2]

زاد المتقین شیخ حسام الدین کے علاوہ بعض دوسرے علماء و فضلاء کے متعلق بھی معلومات فراہم کرتی ہے۔ ان میں قاضی عبداللہ سندھی اور ان کے بیٹے شیخ محمد حمید قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر شیخ علی متقی کے دوست تھے اور اُن کی معیت میں ہندوستان سے حج کے لیے حجاز گئے تھے۔ شیخ عبداللہ سندھ میں بڑے مقبول تھے۔ وہاں فقیہ اور عالم کی حیثیت سے لوگوں کی مذہبی رہنمائی کرتے تھے۔ اُن کے بیٹے محمد حمید شیخ علی متقی کے شاگرد اور مرید تھے۔ انھوں نے مکہ مکرمہ میں شیخ علی متقیؒ سے حدیث کا درس لیا تھا۔ واپسی پر وہ گجرات میں مقیم ہو گئے تھے جہاں انھوں نے علم حدیث کو عام کیا اور حدیث اور دوسرے علوم دینی کی تعلیم کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔ جب شیخ عبدالحق محدث دہلوی حج کے لیے دہلی سے گجرات گئے تو انھوں نے شیخ محمد حمید سے ملاقات کی۔ انھوں نے شیخ عبدالحق محدث کو شیخ علی متقی کے مکہ اور ہندوستان میں حالات زندگی کے بارے میں معلومات بہم پہنچائیں۔[3]

---

[1] ملا عبدالقادر بدایونی، نجات الرشید، مرتبہ سید معین الحق، لاہور ۱۹۷۲ء ص ص ۲۲۳ تا ۲۲۴

[2] زاد المتقین۔ اوراق ۵ الف و ب [3] زاد المتقین، اوراق ۷ب۔ ۸ الف، ۸ب تا ۹ الف

ملتان میں شیخ علی متقی نے شیخ حسام الدین کی علمی سرپرستی میں دو سال صرف کئے تھے۔ مرشد اعظم نے مختلف کتابوں کی صرف تعلیم ہی نہیں دی۔ بلکہ ان کی روحانی تربیت میں بھی پوری طرح کوشاں رہے۔ تفسیر بیضاوی اور کتاب عین العلم کے مطالعہ میں رہنمائی فرمائی۔ عبادات کے ذریعہ قلب کی صفائی اور تربیت کی اہمیت سے روشناس کرایا[1]۔ ملتان میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد شیخ علی متقی نے احمد آباد میں سکونت اختیار کی۔ یہ سلطان بہادر شاہ کا عہد (۱۵۳۷-۱۵۲۶) تھا۔ احمد آباد میں جلد ہی اُن کے تقویٰ اور بے لوث خدمات سے متاثر ہو کر لوگ اُن کی خانقاہ میں آنے لگے۔ لیکن اس روزافزوں مقبولیت کا ان کی شخصیت پر قطعی اثر نہیں ہوا وہ زیادہ تر وقت عبادات یا مراقبہ میں گزارتے تھے۔ اُن کے معتقدین نے ان کی رہائش کے لیے شاہ پور دروازے کے باہر ایک گھر اور اس کے پاس ہی ایک مسجد تعمیر کر دی تھی[2]۔ احمد آباد میں اپنی غیر معمولی عبادات و ریاضت کے علاوہ علمار کو دینی علوم کا درس بھی دیتے تھے اور شیخ حسام الدین متقی کی طرح اپنی ذاتی مثال سے طلبار میں بے لوث خدمت کا شوق پیدا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت اور تعلق کے ساتھ ساتھ انسانوں کی خدمت کی بھی ترغیب دیتے تھے۔ احمد آباد میں اُن کا قیام ۱۵۳۶ء تک رہا۔ وہاں سے وہ حجاز چلے گئے۔ سلطان محمود شاہ (۱۵۳۷ - ۱۵۵۶) کے عہد میں گجرات واپس آئے اور پھر اصلاحی کام میں مصروف ہو گئے۔ وہ اور اُن کے شاگرد مسلمانوں میں علم حدیث اور فقہ اسلامی کی معلومات کو عام کرنے میں مصروف ہو گئے۔ جب تحریک اچھی طرح پھیل گئی تو اس کی ذمہ داری اپنے شاگردوں کو سونپ کر دوبارہ مکہ مکرمہ چلے گئے۔ انھوں نے جو فقر اور تقویٰ کی مثال قائم کی اُس کو گجرات میں مسلمانوں نے زمانہ طویل تک قائم رکھا۔ خاص طور پر گجرات کے مسلمان اُن کی مثال سے مدتوں بصیرت حاصل کرتے رہے۔ شیخ وجیہ الدین گجراتیؒ اپنے شاگردوں کو بتایا کرتے تھے کہ شیخ علی متقی انسان کی شکل میں فرشتہ تھے۔ کوئی شخص بھی زہد و تقویٰ میں اُن کی برابری نہیں کر سکے گا[3]۔"

---

[1] زادالمتقین اوراق ۵ الف و ب [2] ایضاً ورق ۷ ب

[3] ملفوظات شیخ وجیہ الدین گجراتی۔ ورق ۹ ب۔

ایک اور موقع پر شیخ وجیہ الدین نے شیخ علی متقی کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ یہ میری صلاحیت سے باہر ہے کہ میں شیخ علی متقی کے مرتبہ پر پہنچ جاؤں [1]۔

شیخ علی متقیؒ مکہ مکرمہ پہونچ کر شیخ علی بکری کے جو دیار بکر سے تعلق رکھتے تھے اُن کے حلقہ مریدین میں شامل ہو گئے۔ ان کے علاوہ مکہ مکرمہ کے دوسرے علماء سے بھی استفادہ کیا۔ یہیں پر شیخ محمد بن محمد السخاوی نے شیخ علی متقی کو قادریہ، شاذلیہ اور مدنیہ سلسلوں میں مرید بنایا اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُن کو خلافت دے دی تاکہ وہ مذکورہ بالا سلسلوں میں مرید بنا سکیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ ریاضت کے ساتھ ساتھ شیخ علی متقی مطالعہ میں بھی برابر مصروف رہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں حدیث اور تصوف کے علوم میں کمال حاصل کر لیا۔ یہ کام بڑے جیّد علماء کی سرپرستی میں سر انجام دیا تھا۔ لہٰذا تقویٰ اور زہد کے ساتھ وہ پورے حجاز میں اپنے تبحرِ علمی کے لیے بھی مشہور ہو گئے اور مختلف ممالک سے جو لوگ حج کے لیے آتے تھے وہ ان کی خانقاہ میں سعادت حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوتے اور متاثر ہو کر مرید بھی بن جاتے تھے ان میں وسط ایشیاء، ہندوستان اور سلطنت عثمانیہ (Ottoman Empire) سے آئے ہوئے تجار اور امراء بھی ہوتے یہ لوگ بڑی بڑی فتوح (یعنی نذرانہ) پیش کرتے تھے۔ یہ فتوح بغیر کسی تاخیر کے غرباء اور مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ علاوہ ازیں بہت سے دولت مند شیخ کی سفارش پر بیواؤں کی گزر بسر کے لیے وظیفہ بھی مقرر کر دیتے تھے۔ جہاں تک شیخ کے اپنے ذاتی مصارف کا معاملہ تھا وہ اپنی کمائی ہوئی قلیل رقم سے پورا کرتے تھے۔ وہ دینی کتابوں کی کتابت کرتے تھے اور ان کو فروخت کر کے اپنی گذر بسر کرتے تھے۔ فقر اور تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ انتہائی افلاس کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اچھی غذا کھانے کی خواہش بھی انھوں نے ختم کر دی تھی۔ اگر کبھی کھانا لذیذ معلوم ہوتا تو اس میں پانی ملا دیتے تھے تاکہ اس کی لذت ختم ہو جائے [2]۔ ان کے مریدوں میں شام، یمن، حجاز، مصر، ترکی

---

[1] ملفوظات شیخ وجیہ الدین گجراتی۔ ورق ۹ ب

[2] زاد المتقین، اوراق ۱۲ب، ۱۴ الف اور ۱۶ الف۔ اس تشدد اور سختی کا کتاب و سنت سے ثبوت فراہم کرنا مشکل ہے۔ (جلال الدین)

اور ہندوستان کے علما شامل تھے[1]

شیخ علی متقی خوش مذاق، وسیع النظر اور روادار بھی تھے۔ وہ مسلمانوں میں تنازعہ یا تفرقہ پیدا نہ کرنے کی غرض سے غالباً ان رسوم و رواج کو گوارہ کر سکتے تھے جو کہ مسلمانوں نے ہندوستانی فضا میں ہندوؤں کے زیر اثر قبول کر لیے تھے اور رفتہ رفتہ وہ مسلم طرز زندگی یا کلچر کا حصہ بن گئے تھے۔ اس سلسلہ میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے شیخ علی متقی کا ایک دلچسپ واقعہ بیان کیا ہے کہ گجرات کا ایک وزیر شیخ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مسلمانوں میں غیر اسلامی رواجوں میں سب سے خراب یہ رواج پیدا ہو گیا ہے کہ وہ بیوہ بہن اور بیوہ بیٹی کی دوبارہ شادی (یعنی عقد ثانی) کو معیوب اور ذلت کا باعث سمجھتے ہیں اور اس لیے اُن کو عقد ثانی کے حق سے محروم رکھتے ہیں۔ اُس نے یہ بھی کہا کہ اگر شیخ اس کی اصلاح کے لیے کوشش فرمائیں تو یہ خرابی مسلم معاشرے سے دور ہو جائے گی۔ شیخ نے جواب دیا "اللہ کے فضل سے آپ ایک با اثر آدمی ہی نہیں ہیں بلکہ آپ کے پاس علاقہ بھی ہے۔ یہ خرابی ختم ہو سکتی ہے آپ کی اعانت اور کوشش سے۔" وزیر نے اُن کو اپنے پورے تعاون کا یقین دلایا تب شیخ نے فرمایا "میں نے سنا ہے کہ آپ کی والدہ بیوہ ہیں۔ اگر آپ ان کی شادی مجھ سے کر دیں تو آپ کی مثال سے دوسرے لوگ متاثر ہوں گے۔" اس پر وزیر خفا ہو کر چلا گیا[2]

شیخ علی متقی کثیر تعداد میں کتابوں کے مولف تھے۔ اُن کی تالیفات کی تعداد شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے بیان کے مطابق ایک سو تھی اور فقہ اسلامی، علم الکلام حدیث اور تصوف سے تعلق رکھتی تھیں۔ سب سے پہلی تالیف عربی زبان میں رسالہ تابعین الطرق تھی جس کا موضوع تصوف تھا[3] اس موضوع پر اُن کی سب سے اہم کتاب

---

[1] ایضاً اوراق ۱۰ الف و ب ۲۷ الف وغیرہ

[2] زاد المتقین ورق ۲۱۔ب۔ یہ شیخ کی خوش مذاقی بھی ہو سکتی ہے اور اس کا بھی امکان ہے کہ انھوں نے یہ واضح کرنا چاہا ہو کہ ہندوستان میں یہاں کی اکثریت کے زیر اثر نکاح بیوگان کے خلاف رجحان اس قدر جڑ پکڑ چکا ہے کہ جو لوگ اسے بظاہر ختم کرنا چاہتے ہیں وہ بھی اس کے خلاف قدم اٹھانے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ (جلال الدین)

[3] کتاب کا نام غالباً تبیین الطرق الی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا ذکر خود شیخ نے کیا ہے (جلال الدین)

مجموعہ حکم کبیر تھی جس میں شیخ نے معرفت اور روحانیت کے مشکل نکات کی توجیہ پیش کی تھی۔ حدیث کے سلسلے میں آپ نے شیخ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ / ۱۵۰۵ء) کی تالیف جمع الجوامع کو جو حروف تہجی (Alphabetical order) کے مطابق تھی، اسے ازسر نو فقہ کے طلباء کی آسانی کے لیے مرتب کیا تھا۔[۱]

---

[۱] زاد المتقین ورق ۹ / ب۔ شیخ علاء الدین علی المتقی بن شیخ حسام الدین المتوفی ۹۷۵ھ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ 'کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال' کی تالیف ہے۔ اس کتاب کی نوعیت یہ ہے کہ علامہ جلال الدین سیوطی نے حدیث کی ایک کتاب 'جمع الجوامع' کے نام سے مرتب کی تھی۔ اس میں قولی احادیث اور عملی احادیث کے الگ الگ ابواب قائم کر کے قولی احادیث کو حروف تہجی کے لحاظ سے اور عملی احادیث کو صحابہ کے اسماء گرامی کے لحاظ سے جمع کیا گیا ہے۔ یہ حدیث کے مختلف مجموعوں میں بکھرے ہوئے مواد کو ایک جا کرنے کی زبردست کوشش تھی۔ بعد میں علامہ سیوطی نے اس کی ضعیف اور کم زور احادیث کو الگ کر کے قولی احادیث کا ایک خلاصہ تیار کیا جس کا نام 'الجامع الصغیر من الحدیث البشیر والنذیر' رکھا۔ اس کے بعد 'زیادۃ الجامع' کے عنوان سے اس کا ایک ضمیمہ بھی ترتیب دیا۔ علامہ سیوطی کی جامع صغیر گو ضعیف اور کم زور روایات سے خالی نہیں ہے لیکن چونکہ اسکی نشاندہی کر دی گئی ہے اس لیے اہل علم نے اسے اہمیت دی۔ علامہ عبدالرؤف مناوی نے فیض القدیر کے نام سے چھ ضخیم جلدوں میں اس کی شرح لکھی ہے۔ ان میں سے ہر جلد کی ضخامت بڑے سائز کے پانچ چھ سو صفحات کے درمیان ہے۔ ایک جگہ البانی صاحب نے لکھا ہے کہ علامہ سیوطی نے جامع صغیر کے مقدمہ میں لکھا تو ہے کہ اس میں کسی وضاع یا کذاب (حدیث گھڑنے والے یا جھوٹے) کی روایت انھوں نے نہیں لی ہے لیکن اللہ معاف کرے وہ اسے نباہ نہیں سکے ہیں۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ ۱/۲۲ علامہ مناوی نے اپنی شرح کا اختصار بھی 'التیسیر لشرح الجامع الصغیر' کے نام سے دو جلدوں میں تیار کیا۔ یہ مختصر ہونے کے باوجود بہت مفید مجموعہ ہے۔ شیخ ناصر الدین البانی نے جامع صغیر کی ضعیف اور صحیح حدیثوں کو الگ کیا ہے۔

'کنز العمال' علامہ سیوطی کی مذکورہ بالا تینوں کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ شیخ علاء الدین علی المتقی نے ان کتابوں کی ترتیب کو جو حروف تہجی کے اعتبار سے تھی بدل کر فقہی ابواب کے لحاظ سے مرتب کر دیا ہے، اس کی وجہ سے اس سے استفادہ آسان ہو گیا ہے۔ یہ کتاب اس میں شک نہیں حدیث کا ایک دائرۃ المعارف یا انسائیکلوپیڈیا ہے، لیکن رطب و یابس کا مجموعہ ہے اس سے بہت احتیاط کے ساتھ استفادہ کی ضرورت ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن حیدرآباد سے سات ضخیم جلدوں میں =

شیخ علی متقی اگرچہ دوبارہ حجاز جانے کے بعد ہندوستان نہیں آئے اور مستقل طور پر حجاز ہی میں درس وتدریس اور مریدوں کی روحانی تربیت میں لگے رہے لیکن پھر بھی ہندوستانی مسلمانوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ وہ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کے ذریعہ مختلف علوم اسلامی پر اپنی تالیفات اور دوسری اہم کتابیں ہندوستان روانہ کرتے رہے۔ اس طرح قرآن اور خاص طور پر حدیث کے علم کو یہاں پھیلاتے رہے۔ اگر اُن کو کہیں بھی کوئی معیاری اور کارآمد کتاب مل جاتی تھی اور وہ اسلام سے متعلق ہوتی تو اس کی کئی کاپیاں تیار کرا کے ہندوستان بھیج دیتے تھے۔ ایک مرتبہ اُن کو ایک کتاب مواہب اللدنیہ حاصل کرنے میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ کتاب رسول کریمؐ کی سیرت پاک پر تھی۔ لیکن اس کو حاصل کرکے اس کی کتابت کی اور پھر اس کو ہندوستان روانہ کردیا۔ جلد ہی یہ کتاب ہندوستان میں مقبول عام ہوگئی۔[1] شیخ نے مکہ میں ۹۷۵ھ؍۱۵۶۷ء میں انتقال فرمایا۔ اُن کے انتقال پر اُن کا ذاتی کتب خانہ اُن کے بھتیجے شیخ احمد کو وراثت میں ملا۔ لیکن خلافت اور روحانی جانشینی اُن کے ہندوستانی مرید اور عالم شیخ عبدالوہاب متقی کے حصّہ میں آئی۔[2]

اپنے پیرومرشد کی طرح شیخ عبدالوہاب بھی شمالی ہند کے ایک امیر خاندان کے چشم وچراغ تھے ابھی اُن کی عمر صرف بیس سال کی تھی کہ جذبۂ حق غالب آیا اور مکّہ جاکر شیخ علی متقیؒ کے مرید بن گئے۔ شیخ نے اُن کی تعلیم اور تربیت میں خاص دلچسپی لی۔ زُہد اور تقویٰ میں اس قدر استغراق رہا کہ اُن کے پیر سے متعلق لوگ اُن کا اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں میں شمار کرنے لگے۔ اُن کے پیر کے انتقال کے بعد اُن کے حلقۂ ارادت میں عرب ممالک کے علاوہ وسط ایشیا اور ہندوستانی زائرین بڑی تعداد میں شامل ہوئے۔ مدینہ، مکّہ، یمن، مصر اور شام کے علما ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔[3]

= شائع ہوا تھا بعد میں اوسط درجہ کی تقطیع پر صاف ستھرے انداز میں بائیس (۲۲) جلدوں میں چھپا ہے۔
(جلال الدین)

[1] زادالمتقین۔ اوراق ۱۹۔ الف و ب

[2] ایضاً۔ ورق ۱۶ الف

[3] ایضاً۔ ورق ۴۰ ب۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ وہ اپنے پیر و مرشد کے اتباع میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی تعلیمات کے متعلق گفتگو میں بڑی احتیاط برتتے تھے وہ وحدت الوجود کے فلسفہ کے پیروؤں پر بھی تنقید سے پرہیز کرتے تھے۔ لیکن چونکہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو اپنا روحانی خلیفہ بنا کر دہلی واپس بھیجنا تھا لہٰذا دوران گفتگو شیخ عبدالکریم جیلی کی تالیف انسان کامل کے بارے میں صرف اتنا کہا کہ اس میں شکر ملا ہوا زہر ہے[۱] لیکن ابن العربی کی تعلیمات کے بارے میں اپنے شاگرد اور مرید سے کہا کہ ان کی تصانیف میں جو بات سمجھ میں آئے وہ ٹھیک ہے لیکن جو سمجھ میں نہ آئے اس سے صرف نظر کر لینا۔ دراصل شیخ عبدالکریم جیلی ابن العربی کے پیرو ہونے کے علاوہ خود بھی مفکر تھے اور اُن کے بہت سے تصورات آزادانہ طور پر اُن کے اپنے تھے جو ابن العربی کے پیروؤں میں بھی متنازع فیہ ہو سکتے تھے۔

شیخ عبدالوہاب متقی ہندوستان میں اصلاحی کام میں بھی بڑی دلچسپی رکھتے تھے۔ شیخ علی متقی کے انتقال کے بعد وہ گجرات آئے اور اصلاحی کام کے ساتھ ساتھ مہدوی تحریک کی مخالفت بھی کرنے لگے۔ لیکن حج کا زمانہ قریب آنے پر مکہ مکرمہ واپس چلے گئے کیونکہ اُن کے نزدیک حج کی زیادہ اہمیت تھی۔ اسے وہ چھوڑنا نہیں چاہتے تھے[۲]۔ اس کے بعد اپنے شاگردوں اور مریدوں کے ذریعہ ہندوستان میں علمی اور اصلاحی کام کراتے رہے۔ اُن کے ہندوستانی مریدوں میں گجرات، دکن اور مغل سلطنت کے تجار اور علماء شامل تھے۔ یہ لوگ بڑی تعداد میں حج کے لیے حجاز جاتے تھے اور شیخ کو عقیدت میں فتوح پیش کرتے تھے[۳]۔

ان تمام باتوں کے ساتھ شیخ عبدالوہاب کا دستور تھا کہ وہ ہر سال تین چار مرتبہ صوفیاء کا عرس اور نبی کریمؐ کی وفات بڑی عقیدت اور جذبہ کے ساتھ مناتے تھے۔ اِن موقعوں پر لوگوں کی کثیر تعداد کو کھانا کھلاتے تھے۔ خاص طور پر بارہ ربیع الثانی اور شیخ عبدالقادر جیلانی کا عرس بڑے شاندار طریقہ پر مناتے تھے۔ ۱۱ ربیع الثانی کے بجائے وہ ۹ ربیع الثانی کو حضرت جیلانی کا عرس مناتے تھے جبکہ ہندوستان میں

۱۔ زاد المتقین۔ ورق ۔ ۴۵ الف۔

۲۔ ایضاً۔ اوراق ۔۴۰ الف و ب ۳۔ ایضاً ورق ۴۱ ب۔

عرس ۱۱ ربیع الثانی کو منایا جاتا تھا کیونکہ اُن کے نزدیک ۹ ربیع الثانی ہی شیخ کے وصال کی صحیح تاریخ تھی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس معاملہ میں اُن کے ساتھ تھے[۱] مختصر یہ ہے کہ شیخ علی متقی اور شیخ عبدالوہاب متقی اُن بزرگوں میں سے تھے جو کہ بیک وقت علماء کرام اور صوفیاء کرام کی روایات کو یکجا کر کے دونوں کا رول ادا کرتے تھے۔ مریدوں کی روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ درس و تدریس میں بھی مصروف رہتے تھے۔ وہ شرع کی سختی سے پابندی کرتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ تصوف کے بھی حامی تھے اور مریدوں کی سلوک کے منازل طے کرنے میں رہنمائی فرماتے تھے۔ اس طرح مدرسہ اور خانقاہ کی روایات کو انھوں نے باہم یکجا کر دیا تھا۔

زادالمتقین کا تیسرا حصہ بھی اہم ہے۔ اس میں اُن علماء اور دوسرے مسلمانوں کے حالات ہیں جو کہ ہندوستان سے حجاز چلے گئے تھے اور وہیں مستقل طور پر رہنے لگے تھے۔ مکہ اور مدینہ دونوں مقدس شہروں میں ہندوستانی مسلمان رہتے تھے جن کا ہندوستان میں مختلف طبقوں سے تعلق تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ حج کے لیے ایسے مسلمان بھی چلے جاتے تھے جو کہ غریب طبقہ سے متعلق تھے اور حجاز میں بھی معمولی پیشوں میں لگے ہوئے تھے۔ ان لوگوں سے متعلق تفاصیل میں کچھ ایسے حقائق پر بھی روشنی پڑتی ہے جو آج کل علم عمرانیات (Sociology) کے نقطۂ نظر سے کافی اہم ہیں۔ مثال کے طور پر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلم معاشرہ برادریوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ یہاں قوم کی اصطلاح برادری کے معنی میں استعمال کی گئی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث سورت شہر کے شافعی مذہب سے متعلق مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ نینا قوم سے متعلق تھے[۲] ان میں سے ایک عالم فقیر محمد نینا اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ ہجرت کر کے حجاز میں بس گئے تھے۔ مکّہ میں وہ شیخ علی متقی کے مریدین کر صوفی ہو گئے تھے۔ ایک دوسرے شخص میاں خدا بخش دکنی تھے جو کہ معمولی وسائل کے باوجود اپنے خاندان کے ساتھ حجاز جا کر

---

[۱] زادالمتقین۔ اوراق ۱۴۹ ب تا ۱۵۰ الف۔ ان امور میں ان بزرگوں کی تائید نہیں کی جا سکتی اس لیے کہ عرس اور میلاد وغیرہ کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (جلال الدین)

[۲] ایضاً۔ ورق۔ ۱۵۱ ب

مدینہ میں رہنے لگے تھے اور نبی کریمؐ کے روضۂ منورہ کی صفائی کیا کرتے تھے[1]۔ اسی طرح شیخ علی متقی کے باورچی ہندوستانی تھے اور غریب گھر سے تعلق رکھتے تھے۔ مکہ اور مدینہ میں ہندوستانی قوال بھی اچھی تعداد میں رہتے تھے[2]۔

آخر میں یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا کہ ہندوستانی مسلمانوں کا عرب ممالک سے شروع ہی سے بڑا قریبی اور گہرا تعلق رہا ہے۔ عہدِ وسطیٰ میں سلطنت دہلی کے قیام سے بہت پہلے بھی ہندوستانی مسلمان جو کہ سندھ، ملتان اور ساحلی علاقوں میں بسے ہوئے تھے وہ حج، تعلیم اور تجارت کے سلسلے میں عرب ممالک جاتے رہتے تھے۔ شیخ بہاء الدین زکریا سہروردی ملتانی اسلامی ممالک کے تمام علمی مراکز کی سیر کر چکے تھے۔ چودھویں صدی ہجری کے لٹریچر میں ایسے ہندوستانی مسلمانوں کے بارے میں تفصیل سے اطلاع ملتی ہے جو محض دینی جذبہ کی وجہ سے مکہ یا مدینہ میں سکونت گزین ہو گئے تھے۔ ابن بطوطہ کے سفرنامہ میں عرب میں رہنے والے ہندوستانی مسلمانوں کا ذکر ملتا ہے۔ اسی طرح شیخ جلال بخاری ملقب جہانیان جہانگشت جب حجاز گئے تو وہاں بہت سے ہندوستانی مسلمانوں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ اپنے مریدوں کو انھوں نے بتایا کہ ایک ہندوستانی کے گھر میں بیٹی پیدا ہوئی تو اس نے حجاز کے لوگوں کی طرح اپنی بیٹی کو قرآن حفظ کرایا۔ اور وہ علوم دینی سے بھی بہرہ ور ہوئی۔ دوسری عورتیں اس کا اقتدا کرتی تھیں[3]۔ شیخ نے گازرون میں بھی ہندوستانی مسلمانوں سے ملاقات کی۔ وہ شیخ امین الدین گازرونی کی خانقاہ میں رہتے تھے[4]۔ مولانا شمس الدین برادر قتلغ خاں کے بارے میں فرمایا کہ وہ دہلی سے ہجرت کر کے مکہ میں آباد ہو گئے تھے اور کعبہ کی مجاوری کرنے لگے تھے۔ وہاں وہ عبادت میں مستغرق رہتے تھے اور وہیں انھوں نے انتقال فرمایا۔ اُن کے جنازہ کی نماز جہانیان جہانگشت نے پڑھائی تھی[5]۔ غرض کہ اس طرح کا گراں قدر مواد ہمیں زاد المتقین سے فراہم ہوتا ہے۔ اس کی اور دوسرے مآخذ کی مدد سے ہم عرب اور دوسرے اسلامی ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کے متعلق تحقیقی مطالعہ کر سکتے ہیں۔ ہماری تاریخ کا یہ پہلو ابھی تک توجہ کا مستحق ہے۔

[1،2] ایضاً۔ ورق ۱۵۲ ب [3] جامع العلوم ملفوظات۔ دہلی ۱۹۸۷ء مرتبہ قاضی سجاد حسین ص ۱۷۲

[4] ایضاً ص ۱۹۲ تا ۱۹۳ [5] ایضاً ص ۳۲۲